46

جماعت روپے سے نہیں بلکہ ایمان سے زندہ رہتی ہے

(فرمودہ20دسمبر1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وصیت کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے جماعتی فنڈ کی مالی حالت کو بہت کچھ ترقی دے گا اور تبلیغِ اسلام کے لئے جن رقوم کی ضرورت ہو گی اللہ تعالیٰ اس تحریک کے ذریعہ انہیں پیدا کرے گا۔ تبلیغِ اسلام کا فریضہ اتنا وسیع ہے کہ اُس زمانے کی جماعت کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی شخص یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس وصیت کے ذریعہ تبلیغِ اسلام کی ضرورتیں پوری ہوتی جائیں گی۔ اُس وقت جماعت کی مالی حالت باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے لوگ بھی بڑی بڑی قربانیاں کرنے والے تھے بہت کمزور تھی اور مشکل سے تین ہزار روپیہ سالانہ چندہ ہوتا تھا۔ حالانکہ ان لوگوں کی قربانیاں ایسی تھیں جن کو دیکھ کر انسان محوِ حیرت ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں ایک دوست منشی رستم علی صاحب ہوتے تھے۔ وہ کورٹ سب انسپکٹر تھے اور اُس زمانہ میں اِس سے اوپر کوئی عدالتی عُہدہ نہ تھا۔ اب تو کورٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بھی ہوتا ہے لیکن اُس وقت کورٹ سب انسپکٹر کا عُہدہ ہی سب سے اوپر تھا۔ اور اُس زمانہ میں تنخواہیں بھی کم ہوتی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے ڈیڑھ دو سال پہلے 1906ء کے شروع میں یا 1906ء کے آخر میں گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ ضلع کے انچارج کورٹ انسپکٹر ہوا کریں۔ اس سے پیشتر سب انسپکٹر ضلع کے انچارج

ہوتے تھے۔ منشی رستم علی صاحب چونکہ پہلے ہی اپنے ضلع کے انچارج تھے اِس لئے اُن کو کورٹ انسپکٹر بنا دیا گیا اور یکدم ان کی تنخواہ میں اسّی نوے روپے کا اضافہ ہوا۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار تھے کہ منشی رستم علی صاحب کا خط آیا اور آپ نے مجھے پڑھنے کے لئے فرمایا۔ اُس خط کے ساتھ ایک منی آرڈر بھی پہنچا۔ منشی رستم علی صاحب نے اس خط میں لکھا تھا کہ مَیں انسپکٹر بنا دیا گیا ہوں اور میری تنخواہ میں یکدم 80،90 روپے کا اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ کی طرف سے سلسلہ کی ضرورتوں کے لئے چندہ کی تحریک ہوئی تھی اور واقع میں سلسلہ کی امداد اہم فریضہ ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے یکدم ترقی دی ہے تو وہ اِسی لئے دی ہے کہ مَیں اس کی راہ میں زیادہ چندہ دے سکوں۔ یہ یکدم ترقی میرے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کی خدمت کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے مَیں اپنی پہلی تنخواہ پر بھی چندہ ادا کرتا رہوں گا اور یہ زائد ترقی ساری کی ساری سلسلہ کو دوں گا کیونکہ یہ میرے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے ہے۔ مگر باوجود اِس اخلاص کے پھر بھی یہ بات تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام میں لنگر کو چلانے کے لئے بعض دفعہ آپؑ کو قرض لینا پڑتا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تحریک کرنی پڑتی تھی کہ دوست چندہ کی طرف توجہ کریں اور مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے لئے آٹھ دس ہزار روپیہ کی سالانہ ضرورت تھی۔ اس لحاظ سے ساری پونجی جو سلسلہ کو سالانہ ملتی تھی 26 یا 27 ہزار کے قریب تھی اور یہ روپیہ بہت مشکل کے ساتھ جمع ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ حالت ہے کہ مَیں فخر کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ سلسلہ کے ایک نشان کے طور پر بیان کرتا ہوں کہ اب اکثر میرا سالانہ چندہ ہی تیس اور چالیس ہزار کے درمیان ہوتا ہے۔ گویا اُس زمانے کے تمام اخراجات میرے موجودہ چندوں سے پورے ہو سکتے تھے۔ لیکن اُس وقت ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے جماعت کو بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑتی تھیں۔ اور یہ چیزیں جو اَب ہمیں نظر آ رہی ہیں اُس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے بہت مشکل نظر آتی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا اس کے ماتحت آپ کو اس بات میں شبہ نہ تھا کہ ان کاموں کے لئے روپیہ آئے گا یا نہیں بلکہ آپ کو

جس بات میں شبہ تھا وہ یہ تھی کہ اس روپیہ کو استعمال کرنے والے اِس کو دیانت سے استعمال کریں گے یا نہیں۔ گو ظاہر بین نگاہیں اُس وقت اس بات کے پورا ہونے کی کوئی صورت نہ دیکھتی تھیں۔ کیونکہ ساری دنیا میں تبلیغ کرنا اور ان کے لئے تعلیمی انتظامات کرنا، غرباء کی پرورش کرنا، سلسلہ کی تمام دوسری ضروریات کو پورا کرنا کوئی معمولی کام نہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقینی طور پر بتا دیا گیا تھا کہ روپیہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کے آنے کے وقت جماعت اپنی دیانت پر پورے طور پر قائم نہ رہ سکے۔ روپے کے زیادہ آنے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جماعت تعداد میں بڑھتی چلی جائے۔ اِس طرح اس کی وصیتیں اور چندے بڑھتے چلے جائیں۔ دوم یہ کہ جماعت کا روپیہ بڑھے اور اس طرح پہلے لوگوں کا بھی چندہ ترقی کر جائے۔ یہ دو ہی ذریعے جماعت کے مال کو بڑھانے کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کی تعداد کو بھی دن بدن بڑھا رہا ہے اور جماعت کے مالوں میں بھی ترقی دے رہا ہے۔ لیکن ابھی ہماری مالی حالت دنیا کے مقابل پر بہت کمزور ہے۔ دنیا میں ایسے مالدار لوگ بھی ہیں کہ ہمارا جتنا سالانہ چندہ ہوتا ہے۔ وہ اس سے بھی کئی گُنا زیادہ دے دیں اور اُن کی جیب ذرا بھی ہلکی نہ ہو۔ چنانچہ کئی لوگ ایسے ہیں جو پندرہ بیس کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کر دیتے ہیں اور اُن کو محسوس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے مال میں کچھ کمی ہوئی ہے۔ امریکہ کے ایک سخی آدمی کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے چار ارب روپیہ اپنی زندگی میں صدقہ و خیرات دیا لیکن یہ چار ارب روپیہ کوئی تکلیف برداشت کر کے اور بوجھ اٹھا کر نہیں دیا گیا بلکہ اُس شخص کی ارب دو ارب کی سالانہ اِنکم تھی۔ اگر ایسا آدمی اپنی آمد کا چوتھا حصہ بھی نکالے تو وہ پچاس کروڑ بنتا ہے اور پانچواں حصہ نکالے تو چالیس کروڑ بنتا ہے اور اگر چھٹا حصہ دے تو تینتیس کروڑ بنتا ہے اور اگر دسواں حصہ دے تو بھی بیس کروڑ سالانہ بنتا ہے۔ اور اگر وہ بیس سال دے تو چار ارب بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے بیس کروڑ دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ غریب آدمیوں کے لئے دسواں حصہ دینا مشکل ہوتا ہے کیونکہ اُن کی آمد کم ہوتی ہے اور خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ اور امیر آدمیوں کے لئے دسواں حصہ دینا کوئی مشکل نہیں ہوتا کیونکہ ان کی آمد زیادہ ہوتی ہے اور خرچ آمد کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس کی آمد ارب دو ارب روپیہ ہے اگر

وہ بیس کروڑ روپیہ سالانہ دے دیتا ہے۔ اس کے لئے یہ مشکل نہیں۔ لیکن ہماری غرباء کی جماعت ہے اور ہماری جماعت کے افراد اپنے نفسوں پر بوجھ ڈال کر بچا بچا کر خدمتِ دین کے لئے دیتے ہیں اس لئے ان کی قربانیاں دو کروڑ سالانہ دینے والے سے زیادہ ہیں۔ پس جماعت کے مال کے بڑھانے کے دو ہی طریق ہیں۔ اول یہ کہ جماعت کے افراد تعداد میں بڑھتے جائیں اور دوسرے یہ کہ جماعت کے اموال اور جائیدادیں بڑھیں۔ پھر ہی جماعتی فنڈ زیادہ مضبوط ہوتا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی غیر معیّن بات بیان کی جائے تو اکثر اُس کے تمام پہلو مراد ہوتے ہیں۔ گو بعض اوقات اُس کے مخصوص پہلو ہی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن اکثر یہی ہوتا ہے کہ تمام پہلو مراد ہوتے ہیں۔ اِسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اِس پیشگوئی کے بھی سارے ہی پہلو مراد ہیں۔ اور اس پیشگوئی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے مالوں کو بے انتہا بڑھائے گا اور جماعت کے افراد میں دن بدن ترقی دے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی بڑا آدمی جماعت میں داخل نہیں ہوا اور حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں بھی کوئی بڑا آدمی جماعت میں داخل نہیں ہوا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت خلیفہ اول مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کسی خیال میں پڑ گئے اور پھر کچھ دیر کے بعد مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ انبیاءؑ کی جماعتوں میں امراء ابتدائی حالت میں داخل نہیں ہوتے۔ اس وقت بڑے آدمیوں کا درجہ ای۔ اے۔ سی سے شروع ہوتا ہے اور ہماری جماعت میں کوئی ای۔ اے۔ سی نہیں ہے۔ کُجا وہ حالت کہ ہماری جماعت میں کوئی ای۔ اے۔ سی نہ تھا اور کُجا یہ حالت ہے کہ ہماری جماعت میں بہت سے ای۔ اے۔ سی ہیں اور کئی جج ہیں اور بعض ڈپٹی کمشنر ہیں اور بعض اس سے بھی اوپر ہیں۔ مثلاً چودھری ظفر اللہ خاں صاحب فیڈرل کورٹ کے جج ہیں اور وائسرائے کی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ کُجا وہ حالت کہ جماعت میں کوئی ای۔ اے۔ سی نہ تھا اور کُجا یہ حالت کہ اب ہماری جماعت میں کئی افسر ایسے ہیں جن کے ماتحت کئی ای۔ اے۔ سی کام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اِسی طرح انجمن کی جائیداد بھی حضرت خلیفہ اول کے زمانہ میں پندرہ بیس ہزار روپیہ کی تھی اور اب کم سے کم ایک کروڑ روپیہ کی ہے۔ یہ حالات بتاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی دن بدن پوری ہوتی جا رہی ہے۔

اب جماعت بھی بڑھ رہی ہے اور جماعت کے اموال بھی بڑھ رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے پہلے جو جلسہ سالانہ ہوا اُس میں سات سو آدمی شریک ہوئے اور اِس وقت ہمارے جمعہ میں چار ہزار کے قریب آدمی بیٹھتے ہیں۔ لیکن اُس سات سو کو دیکھ کر آپ کی طبیعت پر یہ اثر تھا کہ اب ہماری جماعت بہت بڑھ گئی ہے اور اب ہمارا کام ختم ہوتا نظر آرہا ہے کیونکہ جماعت خوب قائم ہوگئی ہے اور اب اتنا ہجوم ہے کہ ہم ان کے ساتھ سیر بھی نہیں کرسکتے۔ لیکن اُس سالانہ جلسہ سے آج ہمارے اس جمعہ میں چھ گنا زیادہ آدمی بیٹھے ہیں۔ حضرت خلیفہ اول کے زمانہ کے آخری سال جو جلسہ سالانہ ہوا اس میں اٹھارہ سَو آدمی شریک ہوئے اور اسے بہت عظیم الشان جلسہ سمجھا گیا۔ لیکن آج ہمارے جمعہ میں اُس جلسہ سالانہ سے اڑھائی گُنے زیادہ آدمی بیٹھے ہیں۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلسے ہمارے جمعے بنادیئے پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے جلسے ہماری روزانہ نمازیں بن گئیں۔ مَیں نے کئی دفعہ مسجد مبارک میں مغرب کے وقت حساب لگوایا ہے۔ کئی دفعہ نمازیوں کی تعداد سات سو سے اوپر ہوتی ہے۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کس طرح عظیم الشان طور پر پوری ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو تعداد میں بھی ترقی دے رہا ہے اور اموال میں بھی ترقی دے رہا ہے۔ پس یہ حصہ دن بدن پورا ہورہا ہے لیکن دوسرا حصہ اس پیشگوئی کا سوچنے کے قابل ہے کہ کیا مالوں میں ترقی کے ساتھ جماعت کے افراد دیانت اور امانت پر قائم ہیں یا نہیں؟

مَیں دیکھتا ہوں کہ جنگ کے دوران میں لوگوں کو بہت مال کمانے کا موقع ملا ہے اور اس کا کچھ اثر قادیان پر بھی پڑا ہے۔ گو جماعت کی غلطی کی وجہ سے قادیان کے احمدیوں کا حصہ دوسرے لوگوں سے کم رہا ہے۔ مگر ان کو بھی حصہ ملا ضرور ہے۔ یہاں کارخانے کھل گئے ہیں، بعض بڑی بڑی دکانیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح بعض اور صنعتی اور تجارتی رنگ میں ترقیات ہوئی ہیں اور جنگ کے اِس سات سال کے عرصہ میں پہلے کی نسبت بہت ترقیات ہوگئی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ جس بات کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں ہوشیار اور بیدار کر دیا تھا، وہ باتیں پیدا ہورہی ہیں۔ اور ان اموال کی وجہ سے لوگوں کی دیانتیں ویسی صاف نہیں رہیں

جیسی کہ پہلے تھیں۔ میرے پاس متواتر شکایات پہنچتی رہتی ہیں کہ بعض احمدی دکاندار بلیک مارکیٹ کرتے ہیں اور وہ کنٹرول کی چیزوں کو چوری چوری زیادہ قیمتوں پر بیچتے ہیں۔ مَیں اِس کے متعلق پہلے بھی توجہ دلا چکا ہوں کہ یہ نہایت ہی مکروہ اور ظالمانہ فعل ہے۔ جماعت کے دکانداروں کو اِن باتوں سے بچنا چاہئے لیکن باوجود میرے سمجھانے کے پھر بھی بعض کے متعلق یہ رپورٹیں موصول ہوتی رہتی ہیں۔ میرے نزدیک اِس کی ذمہ داری نظارت امور عامہ پر بھی ہے۔ وہ کیوں اِس قسم کے لوگوں کا پتہ نہیں لگاتے اور ان کو سزائیں نہیں دیتے۔ اور کتنے ذلیل ہیں وہ لوگ جو اس طریق پر روپیہ کماتے ہیں۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی جماعت روپے سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ جماعت ایمان سے زندہ رہتی ہے۔ اگر روپیہ ہی اصل چیز ہے تو یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں اور ہندوؤں کے پاس تم سے بہت زیادہ روپیہ ہے۔ کیوں خدا تعالیٰ نے اُن میں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث نہ فرمایا؟ اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو غرباء کی جماعت میں سے مبعوث فرمانا بتاتا ہے کہ ایمان کا روپے سے کوئی تعلق نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ روپیہ بطور انعام کے دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں کی ضروریات کو پورا کرے۔ ان کے ذریعہ غرباء کی امداد کرے اور کبھی روپیہ بطور آزمائش کے دیا جاتا ہے۔ اگر تو روپیہ کے آنے سے انسان کا ایمان سلامت رہا تو وہ روپیہ اُس کے لئے بطور انعام کے ہے اور وہ روپیہ اُس شخص کے لئے باعثِ برکت ہے۔ لیکن اگر وہ روپیہ انسان کے ایمان کو باطل کر دیتا ہے اور وہ روپیہ کے آجانے سے بے ایمانوں جیسی چالاکیاں کرنے لگ جاتا ہے اور چوروں اور ٹھگوں کی طرح لوگوں کو لوٹتا ہے تو وہ روپیہ اُس شخص کے لئے عذاب کا باعث ہے۔ میرے پاس کل بعض دوستوں نے شکایت کی کہ ایک طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ مکان بناؤ۔ نہیں تو ہم زمین واپس لے لیں گے۔ دوسری طرف اینٹوں کی یہ حالت ہے کہ اینٹوں والوں کے پاس جب ہم جاتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ اینٹیں تو سب کی سب بِک چکی ہیں۔ اور پھر انہی اینٹوں کو بلیک مارکیٹ کر کے تیس روپے کی بجائے پچاس روپے میں بیچتے ہیں۔ پہلے ہی جنگ کی وجہ سے اینٹوں کی قیمت چار گُنے زیادہ ہے۔ کیونکہ جنگ سے پہلے چھ سات روپے ہزار اینٹ بِکتی تھی اور

اب تیس روپے ہزار ہے۔ تو یہ پہلے ہی قیمت چار گُنے بڑھ گئی ہے۔ مگر یہاں کے بھٹہ والے اِس کو ڈبل کر کے یعنی پچاس روپے ہزار بیچتے ہیں۔ اِس حالت میں ہم لوگ مکان کس طرح بنائیں۔ ان کا یہ اعتراض وزنی ہے۔ اس حالت میں ہم لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتے کہ تم ضرور آٹھ گُنا قیمت خرچ کر کے قادیان میں مکان بناؤ اور قادیان کی حفاظت کے سامان پیدا کرو۔ اِس قسم کے تاجر گویا لوگوں کو قادیان میں مکان بنانے سے روکنے والے ہیں اور قادیان کی حفاظت کے رستہ میں دیوار حائل کرنے والے ہیں۔ اس قسم کے تاجروں کی مثال اس کشمیری جیسی ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جیٹھ ہاڑھ کے مہینے میں دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سر سے پاؤں تک پسینہ بہہ رہا تھا اور گرمی کے مارے ہانپ رہا تھا۔ کوئی شخص اس رستہ سے گزرا۔ اس نے کہا۔ میاں دھوپ میں کیوں بیٹھے ہو؟ یہ پاس ہی دیوار کا سایہ ہے اُس میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ تو وہ کشمیری ہاتھ لمبا کر کے کہنے لگا۔ اگر مَیں سایہ میں بیٹھ جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے؟ یہی حالت ان حریص تاجروں کی ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ اگر فساد وغیرہ ہوا تو سب سے پہلے مالدار ہی لُوٹے جائیں گے اور نقصان بھی زیادہ ان کا ہی ہو گا۔ غریب جس کے پاس اپنے کھانے پینے کو کچھ نہیں یا مشکل سے اپنا گزارہ کرتا ہے اُس کے پاس سے لُوٹا کیا جائے گا۔ اگر خدانخواستہ فساد وغیرہ ہوں بھی تو اُسے اپنے مال کا فکر نہیں۔

کہتے ہیں کسی میراثی کے گھر میں چور آیا۔ اُس نے کمرے میں گھس کر کمرے کی تلاشی لینی شروع کی۔ کبھی وہ سوٹی کے ساتھ فرش کو ٹھکورتا اور کبھی انگلیوں کے ساتھ دیواروں کو بجاتا کہ کہیں خلا معلوم ہو جائے اور مَیں اُس میں سے دبا ہوا خزانہ نکال لوں۔ اس حالت میں میراثی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چور کی حرکات کو دیکھ کر آہستہ آہستہ ہنستا رہا۔ جب چور چاروں طرف تلاش کرتے کرتے تھک گیا تو اس کی نظر ایک جگہ روشنی پر پڑی جو کہ روشندان میں سے زمین پر پڑ رہی تھی۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ روپیہ نہیں تو کوئی چیز ہی مل جائے۔ اُسے روشنی جو نظر آئی۔ اُس نے سمجھا کہ یہ سفید سفید آٹا ہے۔ اُس نے جلدی سے آٹے کے اٹھانے کے لئے ہاتھ مارے لیکن دونوں ہاتھ مل گئے۔ میراثی یہ حالت دیکھ کر اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکا اور زور سے قہقہہ مار کر کہنے لگا۔ "ججمان! ایتھے سانوں دن نوں کجھ نہیں لبدا۔ تہانوں راتیں کی لبھنا۔" یعنی جناب! ہمیں تو یہاں دن کو کچھ نہیں ملتا آپ کو رات کے وقت یہاں کیا

ملے گا۔ چور اُس کی آواز سن کر وہاں سے بھاگا۔ تو جن لوگوں کے پاس ہی کچھ نہیں اُن کا نقصان کیا ہوگا۔ لیکن یہ تاجر لوگ اتنا بھی خیال نہیں کرتے کہ وہ غریبوں کی وجہ سے بچے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک صحابیؓ ایک مجلس میں اپنے مال کا ذکر کر رہے تھے کہ میرے پاس اتنا مال ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا کیا لغو باتیں کر رہے ہو۔ یہ مال تمہیں غریبوں نے ہی کما کر دیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ امراء کے مال غرباء کی وجہ سے بچے رہتے ہیں اور غرباء کی وجہ سے ہی امراء کی جانیں بچی ہوئی ہیں۔ قادیان کی آبادی اِس وقت بارہ ہزار کی ہے۔ اس میں سے ساڑھے گیارہ ہزار غرباء ہیں۔ اور پانچ سو آدمی ایسے ہیں جو کچھ کھاتے پیتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ قادیان کے لحاظ سے مالدار کہلا سکتے ہیں۔ اگر یہ ساڑھے گیارہ ہزار ان امراء کو چھوڑ کر چلے جائیں تو دیکھو اس پانچ سو آدمی کو چور اور مفسد لوگ لُوٹتے ہیں یا نہیں۔ لیکن موجودہ حالت میں چور اور فتنہ پرداز لوگ جانتے ہیں کہ اگر ہم نے کسی امیر کو چھیڑا اور اُس کی چوری کرنی چاہی تو اردگرد کے غریب سب کے سب ڈنڈے لے کر مجھے مارنے کے لئے آجائیں گے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ خود مالدار لوگ اپنی حفاظت میں رخنہ پیدا کرتے ہیں۔ اور پھر یہ کتنی بددیانتی ہے کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ یہ چیز اِس ریٹ پر بیچی جائے۔ کنٹرول کی اشیاء حاصل کرنے والے لوگ گورنمنٹ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم کنٹرول کے نرخ پر ہی فروخت کریں گے لیکن گھر آکر اپنے عہد سے پھر جاتے ہیں۔ بھٹہ والوں کو کوئلہ کنٹرول ریٹ پر دیا جاتا ہے اور گورنمنٹ سے وعدہ کر کے لاتے ہیں کہ ہم اس سے جتنی اینٹ تیار کریں گے وہ کنٹرول ریٹ پر فروخت کریں گے۔ لیکن یہاں آکر بلیک مارکیٹ شروع کر دیتے ہیں۔ اِسی لئے مَیں نے ناظر صاحب امورِ عامہ کو آج حکم دے دیا ہے کہ وہ بھٹہ والوں کی لِسٹ بنائیں اور اُنہیں پورے طور پر تنبیہہ کر دیں کہ اگر کسی کے متعلق یہ ثابت ہو گیا کہ اُس نے گورنمنٹ کے ریٹ سے زیادہ قیمت پر اینٹ فروخت کی ہے تو ہم اسے سخت سزا دیں گے۔☆ اور آئندہ کے لئے

☆ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ چند دن سے گورنمنٹ نے اینٹ پر سے کنٹرول اٹھالیا ہے اور بھٹے بعض لوگ لکڑی سے پکا رہے ہیں۔ اس لئے اینٹ مہنگی پڑتی ہے۔ اس لئے مَیں نے حکم دیا ہے کہ ایک کمیٹی لاگت کا اندازہ لگائے اور پھر مناسب نفع لگا کر سلسلہ کی طرف سے قیمت مقرر کر دی جائے۔

ہم یہ قانون پاس کرتے ہیں کہ جماعت کے دوست اینٹوں کا سودا نظامت امور عامہ کی معرفت کریں۔ کیونکہ جو سودا نظارت کی معرفت ہو گا اس کے متعلق معلوم ہو جائے گا کہ کس نرخ پر بھٹہ والے نے اینٹیں فروخت کیں۔ اور اگر سودا نظارت امور عامہ کی معرفت ہو گا تو نظارت اس بات کی کوشش کرے گی کہ اس کی تمام اینٹیں جن کا سودا ہو چکا ہے خریدار کو دلائے اور بھٹہ والے اپنی بات سے پھر نہیں سکیں گے۔ مَیں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ گورنمنٹ نے جو ریٹ مقرر کئے ہیں وہ کم نہیں ہیں بلکہ ان میں معقول نفع رکھا گیا ہے۔ گورنمنٹ نے ابتداء میں غلہ کی قیمت مقرر کرنے میں غلطی کھائی تھی لیکن بعد میں تجربہ ہو جانے کی وجہ سے 1943ء سے گورنمنٹ نے ان غلطیوں کو دور کر دیا ہے اور اب گورنمنٹ معقول قیمتیں مقرر کرتی ہے اور اس قیمت پر فروخت کر کے بھی انسان کافی نفع حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ مَیں نے دیکھا ہے کہ جو انسٹی ٹیوشنز کوئلہ کنٹرول ریٹ پر منگوا کر دے دیتی ہیں اُن کو بیس روپے ہزار تک اینٹ بھٹہ والوں کی طرف سے پڑ جاتی ہے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ بھٹہ والوں کو تیس روپے میں اچھا نفع مل جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تیس روپے ہزار میں پانچ چھ روپے ان کا منافع نکل آتا ہے۔ اور بیس پچیس فیصدی منافع اگر انسان کو مل جائے تو اُسے اور کیا چاہئے۔ لیکن جو بلیک مارکیٹ والی صورت ہے اس میں تو سو فیصدی نفع ہے۔ یعنی ایک روپے کی چیز دو روپے میں بیچی جائے۔ یہ ظالمانہ منافع ہے۔ جن چیزوں کے متعلق انسان مجبور نہیں ان کے متعلق اسے اختیار ہے خریدے یا نہ خریدے۔ اور بیچنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے جتنی قیمت مانگ لے۔ مثلاً ایک شخص ہاتھی دانت کی سلائی بارہ روپے میں فروخت کرتا ہے۔ ہاتھی دانت تو اصل میں دو چار آنے کا ہو گا۔ باقی اُس کی محنت ہے۔ اگر وہ بارہ روپے میں بیچتا ہے تو اس کے لئے کوئی شخص مجبور نہیں کہ ضرور اس سے خریدے۔ لیکن مکان، کپڑا اور کھانا اِن کے بغیر انسانی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ اگر مکان نہیں ہو گا تو رہیں گے کہاں۔ اگر کھانا نہیں ملے گا تو جئیں گے کیسے؟ اور اگر کپڑا نہیں ملے گا تو صحت اور اخلاق کس طرح قائم رہ سکیں گے۔ جن چیزوں کے خریدنے کے لئے انسان مجبور ہوتا ہے ایسی چیزوں کا منافع ایک حد تک ہونا چاہئے۔ پس آئندہ اگر کوئی شخص بلیک مارکیٹ کرتا ہوا پکڑا جائے یا اُس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ

بلیک مارکیٹ کرتا ہے اس کی فوراً ہمارے پاس رپورٹ کرو۔ ہم اسے سخت سزا دیں گے اور اس کے ساتھ اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ کوئی احمدی کسی غیر احمدی سے چیزیں نہ خریدے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ تم احمدیوں کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں سے سودا خریدنا شروع کر دو۔ اس بات کا بھی پورے طور پر خیال رکھو کہ کوئی احمدی کسی دوسرے دکاندار سے سَودا نہ خریدے۔ ہاں اگر تمہیں کسی قسم کی احمدی تاجر کے متعلق شکایت ہے تو اس کی فوراً نظارت امور عامہ کو اطلاع دو۔ اس لئے مَیں نے آئندہ اینٹوں کا سودا نظارت امور عامہ کی معرفت مقرر کر دیا ہے۔ اینٹ نکالنے سے پہلے بھٹہ والے ناظر صاحب کو اطلاع دیں کہ ہمارے پاس اتنا کوئلہ ہے اور ہم اس سے اتنی اینٹ نکالیں گے اور پھر اس کے مطابق نظارت امور عامہ نگرانی کرے۔ ہم بھٹہ والوں کو یہ نہیں کہتے کہ آپ لوگ ہمیں گورنمنٹ کے کنٹرول نرخ سے کم پر دیں بلکہ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ جو نرخ گورنمنٹ نے مقرر کئے ہوئے ہیں اُن کی پابندی کی جائے۔ لاہور میں اینٹ سترہ اٹھارہ روپے ہزار بِک رہی ہے۔ گو وہ قادیان کی اینٹ سے ایک آدھ انچ چھوٹی ہے لیکن اِتنا زیادہ فرق نہیں ہو سکتا۔ ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ قادیان کے سائز کے مطابق بائیس روپے میں مل سکتی ہے۔ جب لاہور میں بیس بائیس روپے کو پڑتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ قادیان میں پچاس روپے کو پڑتی ہے۔ اِس قسم کے ناجائز منافع اچھے نہیں ہوتے اور ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کسی حریص اور لالچی آدمی کے پاس ایک مرغی تھی جو ہر روز سونے کا ایک انڈا دیتی تھی۔ اُس نے خیال کیا کہ اگر مَیں اسے زیادہ کھلاؤں پِلاؤں تو شاید یہ دو انڈے روزانہ دینا شروع کر دے۔ اس نے مرغی کو پکڑ لیا اور اس کا منہ کھول کر زور سے دانے ڈالنے شروع کئے۔ آخر اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرغی مر گئی اور وہ پہلے اس ایک انڈے سے بھی محروم ہو گیا۔ انسان کو نفع میں بھی عقل سے کام لینا چاہئے۔ صرف یہ سمجھ لینا کہ صرف دو چار آدمی ہی بھٹہ چلانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اِس لئے جو نفع وہ لینا چاہیں وہ لے لیں اور جس طرح لوگوں کو لُوٹنا چاہیں وہ لُوٹ لیں۔ غیر منظّم جگہوں میں تو ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے اور یہ قطعی طور پر ڈاکہ سے کسی طرح کم نہیں لیکن ایک منظّم جگہ میں اِس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ باقی تجارتوں کے متعلق بھی

شکایات پیدا ہو رہی ہیں کہ دکاندار بلیک مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں۔ مثلاً دیا سلائیاں گورنمنٹ کے پاس سے دکاندار ڈیڑھ پیسہ فی دیا سلائی کے حساب سے لاتے ہیں لیکن یہاں ایک آنہ بلکہ دو آنہ میں فروخت کرتے ہیں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ اِس میں لینے والوں کا بھی قصور ہے۔ وہ کیوں بلیک مارکیٹ سے خریدتے ہیں؟ جب گورنمنٹ کا قانون اس کی تائید میں ہے اور خدائی قانون بھی بلیک مارکیٹ میں بیچنے اور خریدنے سے منع کرتا ہے تو پھر ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟ جب خدا تعالیٰ کی بادشاہت اور دنیا کی بادشاہت کسی معاملہ میں اکٹھی ہو جائیں تو پھر خطرہ کس بات کا رہ جاتا ہے۔؟ اگر زمینی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت کے حکموں میں اختلاف ہو تو پھر بے شک ڈرنے کا مقام ہے۔ مومن تو اِس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر مَیں زمینی بادشاہت کا حکم مانوں تو آسمانی بادشاہت ناراض نہ ہو جائے اور منافق اِس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر مَیں نے دنیا کی بادشاہت کا حکم نہ مانا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔ پس مومن ڈرتا ہے کہ مَیں خدائی بادشاہت کے حکم کا انکار کر کے بے ایمان نہ ہو جاؤں اور منافق ڈرتا ہے کہ زمینی طاقتیں میرے خلاف ہو جائیں گی اور وہ مجھے نقصان پہنچائیں گی۔ لیکن جب آسمانی اور زمینی طاقتیں ایک ہی حکم دیں تو پھر کسی کے لئے بھی خطرہ نہیں۔

پس آپ لوگوں کو چاہئے کہ آپ فوراً شکایت کریں کہ فلاں دکاندار نے مجھے فلاں چیز اِس قیمت پر دی اور اتنی زیادہ قیمت وصول کی ہے۔ ہم اُسے پہلے جماعتی سزا دیں گے۔ اگر اِس کے باوجود اس کی اصلاح نہ ہوئی تو اُسے جماعتی سزا بھی دیں گے اور گورنمنٹ کے سپرد بھی کریں گے۔ جو شخص باوجود ان تمام سہولتوں کے جو گورنمنٹ نے دی ہیں اور عمدہ قیمتوں کے جو گورنمنٹ نے مقرر کی ہیں پھر بھی ناجائز نفع حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کی وجہ سوائے اس کے اَور کوئی نہیں کہ وہ اپنی شقاوتِ قلب اور بد دیانتی کا ثبوت دینا چاہتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس شخص کو ہمارے اصول اور ہمارے احکام پسند نہیں وہ ہماری جماعت میں رہتا کیوں ہے؟ اُسے چاہئے کہ وہ فوراً الگ ہو جائے۔ ہم نے اُسے پکڑ کر نہیں رکھا ہوا۔ لیکن ایک طرف تو ایک مذہب میں داخل ہونا اور دوسری طرف بد دیانتی کے کام کرنا یہ دونوں چیزیں جمع نہیں

ہو سکتیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے۔ ایک دو پیسے کی دیا سلائی کے لئے ایک شخص جھوٹ بولتا ہے کہ میرے پاس نہیں ہے اور پھر ایک اَور شخص سے آنہ لے کر اسے کھڑکی میں سے دیا سلائی دے دیتا ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے اور پھر اس کے باوجود وہ محلہ کا پریذیڈنٹ یا کوئی اَور عُہدہ دار یا خدام الاحمدیہ کا ممبر یا انصار اللہ کا ممبر ہونے کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں سے چیزیں خریدنے والا شخص بھی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ فعل معمولی بات ہے۔ پس ایسے لوگ دوسرے لوگوں کے دین کو خراب کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ بھٹہ والوں کے پاس جب کوئی شخص اینٹ خریدنے کے لئے جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں چودھری صاحب نے تمام کی تمام اینٹ رُکوا لی ہے۔ ہم آپ کو نہیں دے سکتے۔ اور پھر اگر وہی شخص دوسری طرف سے ہو کر کہے کہ اچھا پچاس روپے لے لیں اور میرا کام کر دیں تو کہہ دیتے ہیں کہ اچھا ہم آپ کا کام کر دیں گے، آخر آپ کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔

حضرت خلیفہ اول ایک ڈپٹی صاحب کے متعلق سنایا کرتے تھے کہ وہ رشوت تہجد کے وقت لیا کرتے تھے۔ جب کوئی شخص دن کے وقت اُن کے پاس آتا تو اُسے گالیاں دے کر نکال دیتے۔ آخر نوکر اُسے کہتے کہ ہمیں پانچ سات روپے آپ دے دیں ہم آپ کو ترکیب بتا دیتے ہیں۔ جب وہ اُن کا منہ بھر دیتا تو وہ اُسے بتا دیتے کہ تم تہجد کے وقت آجانا اور اصرار کرتے چلے جانا۔ آخر ڈپٹی صاحب خود بخود تمہیں کہہ دیں گے کہ روپے رکھ جاؤ اور چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ شخص ان کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق تہجد کے وقت آتا اور بیٹھ جاتا اور رقم پیش کر دیتا کہ آپ ہم غریبوں پر رحم کریں، ہم آپ کے پاس نہ آئیں تو کس کے پاس جائیں۔ ڈپٹی صاحب اُسے گالیاں دیتے، بے ایمان! تم نے تو میری نماز خراب کر دی۔ نماز کے وقت شور مچاتے ہو۔ وہ آنے والا کہتا مَیں کیا کروں۔ آخر مَیں بھی تو اللہ کا بندہ ہوں۔ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے آپ ہم پر رحم کھائیں۔ آخر وہ غصہ سے منہ لال کر کے کہتے اچھا رکھ مصلّے کے نیچے اور دفع ہو جا۔ میری نماز خراب نہ کر۔ اور پھر اس کے بعد تسبیح پھیرنا شروع کر دیتے۔ اِسی قسم کے لوگوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ مومن روپیہ لائیں گے لیکن بعض بے ایمان لوگ اسے کھانا شروع کر دیں گے۔

مَیں حیران ہوں کہ کیا صرف بے ایمانی سے ہی روپیہ کمایا جا سکتا ہے؟ کیا صحابہؓ میں سے کوئی صحابی مالدار نہ تھے۔ حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ کی وفات کے بعد ان کا بچا کھچا روپیہ دو کروڑ نکلا۔ حضرت عبد الرحمان بن عوف دین کے لئے بہت قربانی کرنے والے تھے لیکن اس کے باوجود اُن کے پاس دو کروڑ روپیہ بچ گیا تھا۔ اُس وقت کا دو کروڑ روپیہ آجکل کے دو ارب روپیہ کے برابر ہے۔ تم صحابہؓ کی دیانتداری کا تصور تو کرو۔ ایک صحابی اپنا گھوڑا فروخت کرنے کے لئے لائے۔ دوسرے صحابیؓ نے پوچھا کہ کتنے کو بیچو گے؟ انہوں نے کہا ایک ہزار درہم کو۔ دوسرے صحابی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو گھوڑوں کی پوری واقفیت نہیں۔ اصل میں آپ کا گھوڑا دو ہزار درہم کا ہے۔ اگر آپ دو ہزار درہم لے لیں تو مَیں گھوڑا لے لیتا ہوں۔ وہ شخص جس کا گھوڑا تھا وہ کہنے لگے کہ مَیں صدقہ خور نہیں ہوں۔ جب مَیں جانتا ہوں کہ میرا گھوڑا ایک ہزار درہم کا ہے تو مَیں دو ہزار کس طرح لے لوں؟ یہ ہے اصل ایمان۔ خریدار کہتا ہے کہ اگر قیمت بڑھاؤ تو مَیں گھوڑا خرید لیتا ہوں لیکن بیچنے والا کہتا ہے کہ جب مَیں جانتا ہوں کہ اِس کی قیمت اس سے زیادہ نہیں تو مَیں دو ہزار درہم کس طرح سے لوں لیکن یہ افعال کس طرح جائز ہو سکتے ہیں کہ گورنمنٹ کچھ نرخ مقرر کرتی ہے اور بیچا کسی اَور نرخ پر جاتا ہے۔ یہ احمدیت نہیں بلکہ احمدیت کو بدنام کرنا ہے۔ جس شخص کو دھوکا بازی کا خیال آتا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ احمدیت سے ایک طرف ہو جائے۔ وہ خدا تعالیٰ کے صاف شفاف تالاب کو اپنے گند سے کیوں گندا کرتا ہے۔ ایسا صاف اور شفاف تالاب جس میں پاتال تک کی چیزیں نظر آجاتی ہیں۔ پس جو شخص اِس قسم کے فعل کرتا ہے وہ اس صاف تالاب میں کیچڑ پھینکتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے احمدیت دگنے عذاب کا موجب بن جائے گی۔ ایک وجہ تو یہ ہو گی کہ اس نے بے ایمانی اختیار کی اور دوسری وجہ یہ ہو گی کہ اس نے خدا تعالیٰ کے خوبصورت محل کو خراب کیا۔ جیسا کہ بعض بے وقوف اور نادان لوگ جب کسی تاریخی یا خوبصورت عمارت کو دیکھنے جاتے ہیں تو اُس پر اپنا نام لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں روپے کی یادگار ستیاناس کر دیتے ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ ہو گی کہ اُس نے اپنے بد نمونہ سے دوسروں کا ایمان خراب کیا۔

پس جن لوگوں کے دلوں میں بلیک مارکیٹ کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ اُنہیں

سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارا ایمان محفوظ نہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور جماعت کا بھی فرض ہے کہ وہ اس روح کو کچلنے کی کوشش کرے۔ گورنمنٹ نے جو قیمتیں مقرر کی ہیں میرے نزدیک وہ بالکل صحیح اور معقول ہیں۔ اِس کے بعد بھی اگر کوئی تاجر زیادہ قیمت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنی شقاوتِ قلبی کا ثبوت دیتا ہے۔" (الفضل 26 دسمبر 1946ء)